مولانا فضل حق صاحب
درجہ تبلیغ

عروج زوال کا قرآنی قانون

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَمَنْ اِعْتَقَدَ غَیْرَ ذَالِکَ فَلَا خَیْرَ لَہٗ ط۔

امابعد: یہ ایک عجیب اور مبنی برحقیقت بات ہے کہ مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ قرآن حکیم کو پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کے برابر اور متوازی چلی آرہی ہے۔ جب تک مسلمانوں کا علم و عمل قرآنی تھا مسلمان رو بہ ترقی تھے یہی قرآن فہمی کی لگن تھی۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آٹھ سال صرف سورۂ فاتحہ کے سمجھنے میں لگا دیئے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ آپ کو سورہ بقرہ پڑھنے اور سمجھنے میں چار سال لگے (اسنن اربعہ) اس زمانہ میں نہ تو علم الکلام کی پیچیدگیاں تھیں۔ اور نہ ہی صرف و نحو اور علم بلاغت کی کتابوں کے انبار تھے۔ حضرت فاروق اعظم اور ان کے صاحبزادے خود اہل زبان تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان بزرگوں کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں اتنا عرصہ کیوں لگا ہے۔ اس سوال کا جواب حضرت ابن عمرؓ دیتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے البرہان میں مندرجہ بالا روایت کے ساتھ ہی حضرت ابن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہماری تعلیم تجرباتی ہوتی ہے۔ جب تک ایک بات کا عملی تجربہ نہیں کر لیتے تھے۔ آگے نہیں چلتے تھے۔" علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفرقان میں یہی قول نقل کر کے اس کی تشریح یوں کی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ جو بات قرآن کریم میں پڑھتے اس پر حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگرانی میں عمل کرتے اور جب تک عملی تجربات اور مراقبات کے ذریعے پڑھی ہوئی آیت کے سانچے میں پوری طرح نہ ڈھل جاتے آگے نہ بڑھتے قرآن کریم نے انہیں مقدس

طالبان قرآن کا بیان یوں فرمایا ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط

یعنے وہ قرآن بینات کا مجموعہ ہے۔ جو کہ اہل علم کے سینوں میں ہے

یہ حقیقت ہے کہ جب تک قرآن حکیم اور علوم نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو پڑھنے اور سمجھنے کا یہ طریقہ رہا۔ اسلام کی قوت ہر لحاظ سے پھیلی رہی۔ لیکن جب سے ہم نے قرآن حکیم کے اس انداز تعلیم کو ختم کیا بظاہر منطق و فلسفہ، طب و ریاضی میں تو ہم نے ترقی کی۔ لیکن اس کے باوجود ہماری ترقی میں تنزل کے آثار پیدا ہونے لگے۔

رفتہ رفتہ حالت یہاں تک آپہنچی کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت زار سب پر ظاہر ہے۔ اکثر و بیشتر مسلمانوں کی پستی و انحطاط اور مسلم ممالک میں دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کے متعلق اخبار و مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور بدقسمتی سے امت مسلمہ کا ایک کثیر حصہ اپنے اس زوال و انحطاط سے بے خبر و لاپرواہ ہے۔ اور بعض خود فراموش مقلدین یورپ تو اس کو اپنا عروج سمجھ رہے ہیں۔ پستی و تباہی خسران و نزیان تب ہی بڑھنے لگتا ہے۔ جب اس کا احساس ختم ہو جایا کرتا ہے۔ راستہ بھولے ہوئے کو اگر اپنی گم شدگی کا علم ہو جائے تو اس کا راہ پر آجانا اور راہ پا لینا ممکن ہے۔ لیکن ایک گم کردہ راہ کو یہ علم و احساس ہی نہ ہو۔ کہ اس نے اپنی منزل مقصود کا راستہ کھو دیا ہے۔ تو یقیناً اس کا ہر قدم اپنی منزل سے دوری اور نئی نئی مصیبتوں میں اضافے کا باعث بنے گا۔ اسی عدم احساس اور جہل مرکب کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ط سورۃ ۲ آیت ۱۳

(ترجمہ شیخ الہند) جان لو وہی بے وقوف ہیں۔ لیکن جانتے نہیں۔

بے علمی کی دو قسمیں ہیں اور ناسمجھ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں اپنی بے وقوفی اور ناسمجھی کا علم و احساس ہو۔ یہ فائدے ہی میں ہیں بہ نسبت ان کے جن کو اپنی بے وقوفی و جہالت کا احساس تک نہ ہو۔ ایسوں کی قسمت میں ذلت و ادبار پستی و خواری مقدر ہو چکی ہے۔

آنکس کہ نہ داند و نہ داند کہ نہ داند	در جہل مرکب ابد الدہر بماند
و آنکس کہ نہ داند و بداند کہ نہ داند	او نیز متاع خویش بمنزل برساند

ہم جب اپنے عروج و زوال کا جائزہ اللہ تعالےٰ کی بھیجی ہوئی روشنی قرآن حکیم سے کرتے ہیں۔ اور یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ مسلمان کے پاس کھرے کھوٹے کی پرکھ کے لیے کتاب اللہ ہی واحد کسوٹی ہے۔ مسلمان ماسوی اللہ کی تقلید کی زنجیروں کو توڑنے آیا ہے۔ مسلمان دنیا میں ہر طاقت کی غلامی سے آزاد پیدا ہوا ہے اس کی

آنکھیں تقلید کے بارے میں تمام دنیا اور دنیا کے طواغیت سے بند ہیں۔ اور تمام آوازوں سے کان بہرے ہیں اس کے لیے اگر کوئی روشنی ہے تو صرف سراج منیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی قندیل ہے وہ کائنات میں تفکر اگر کرتا بھی ہے تو اس کتاب کی ہدایت کے مطابق۔ مسلمان کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط سورۃ ۱۴ آیت ۱۔

یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تیری طرف کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں میں سے اجالے کی طرف "ترجمہ شیخ الہند"

دینِ فطرت:۔

اسلام دین فطرت ہے اور دین فطرت کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود اپنے کامل واکمل ہونے کا دعویٰ کرے ایسا نہ ہو کہ وہ خود تو اپنے کامل واکمل، کافی وشافی ہونے کے بارے میں خاموش ہو اور اس کے پیرو اس کے کامل ہونے کے دعویدار ہوں۔ مدعی سست گواہ چست۔ والا معاملہ نہ ہو۔ اسلام اعلان کرتا ہے کہ میرے پاس اخلاقی زندگی ہو یا علمی۔ سیاسی ہو یا معاشری، دینی ہو یا دنیوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ ہر شعبہ کے لیے میرے پاس ہدایت وقانون موجود ہے میں دنیا میں خدا کا آخری اور اکمل ترین مذہب ہوں۔

دنیا میں کون سا مذہب اور وہ کون سی کتاب ہے جس نے اپنی زبان سے اپنے متعلق ایسے عظیم الشان دعوے کیے ہوں۔
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط سورہ ۵ آیت ۱۵۔

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی اللہ اس کے ذریعے سے سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے اس کو ہر طرح کی گمراہی (تاریکیوں) سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور سیدھی راہ پر چلاتا ہے (مولانا آزاد) اس آیت مبارکہ میں صاف طور پر بیان فرما دیا کہ انسانی اعمال کی جملہ تاریکیاں صرف قرآن ہی سے دور ہو سکتی ہیں، نور کے لیے واحد کا صیغہ لانا اور ظلمات کے لیے جمع کا صیغہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ نور اور روشنی حق اور ہدایت ایک ہے اور اندھیرے بہت ہیں۔

اسباب زوال کے متعلق جب ہم نے خدا سے پوچھا کہ باوجود اپنی حکومتوں، ریاستوں اور ساز و سامان کی فراوانی اور کثرت تعداد کے مسلمان کیوں ذلیل ہیں۔ ہمارے اسلاف بے سروسامانی اور باوجود قلت تعداد کے معزز ومحترم کس وجہ سے تھے تو خدا کے آخری ہدایت نامے نے جواب میں فرمایا کہ ان کو اپنا مقصد تخلیق یاد تھا وہ اس کے لیے سرگرم عمل رہے اور تم نے اپنا فرض منصبی بھلا دیا۔ كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ط سورہ ۵۹ آیت ۹۔

ان لوگوں کی طرح جنہوں نے بھلایا اللہ کو پھر بھلا دیئے اللہ نے ان کے جی ان کو وہی ہیں نافرمان "ترجمہ شیخ الہند"

یعنی جنہوں نے اللہ کے حقوق بھلا دیئے اس کی یاد سے غفلت اور بے پرواہی برتی اللہ نے خود ان کو ان کی جانوں سے بے خبر اور غافل کر دیا کہ آنے والی آفات سے اپنے بچاؤ کی کچھ فکر نہ کی اور نافرمانیوں میں غرق ہو کر دائمی ہلاکت میں پڑ گئے۔
(حاشیہ شیخ الاسلامؒ)۔

امت مسلمہ کو خیر امت کے لقب سے اللہ تعالیٰ نے معزز فرمایا اور مسلمانوں کا فرض منصبی امر بالمعروف نہی عن المنکر قرار دے کر ان کو قیام عدل کے لیے منتخب فرمایا میزان عدل اور صراط مستقیم کا قانون دے کر دنیا والوں کے لیے ان کو حق کی گواہی دینے والا بنایا۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۔ تاکہ تم ہو گواہ لوگوں پر۔
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ط سورہ ۳ آیت ۱۱
تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے (ترجمہ شیخ الہندؒ)
ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا اصلی مشن مقصد پیدائش اور خصوصی امتیاز و شرف اس چیز کو قرار دیا ہے کہ حق کا اعلان اس کا سرمایہ حیات ہے وہ دنیا میں اسی لیے کھڑے کیے گئے، کہ خیر کی طرف داعی ہوں۔ اور نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

بے مقصد اور لایعنی چیز کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ جو چیز جس مقصد کے لیے بنائی اور خریدی جائے اگر اس سے وہ مقصد پورا نہ ہو تو اس کو ضائع یا فروخت کیا جاتا ہے مثلاً گائے بھینس کسی نے خریدی دودھ کے واسطے اب مہلت و انتظار، کھانا دانہ دینے کے باوجود اگر وہ گائے یا بھینس دودھ نہ دے تو اس کا آخری نتیجہ کسی سے پوشیدہ نہیں، سائیکل، سکوٹر اور موٹر کار کے کل پرزے اپنا اپنا کام کرنا چھوڑ دیں۔ تو کوڑیوں کے مول کباڑی کے حوالے کی جائیں گی۔ فیوز بلب اور شکستہ مٹکے کو کب تک کوئی سنبھالے رکھے گا۔ ایک نوکر ملازم کی باوجود تنخواہ لینے کے خدمت میں غفلت اور کام چوری کو کب تک برداشت کیا جائیگا اشیاء اور اجناس کی قیمت و قدر ان کی معنویت کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے خیر امت والی کل صفات محمودہ اور مابہ الامتیاز فضیلتوں کو یکسر ختم کر لینے کے بعد ہماری ترقیوں کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے۔ ؎

جب کہا میں نے کہ یارب میرا حال زار دیکھ ۔ یہ ندا آئی کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت کا لقب صفات محمودہ کی بنا پر دیا اور وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ کا وعدہ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ مومن کامل ہونے کی شرط سے مشروط فرمایا تھا جب ہم نے اپنی اعلیٰ صلاحیتیں کھو دیں نیکیوں کی بجائے برائیوں کے داعی ہو گئے خود غرضی کو اپنا شعار بنایا تو ذلت ہم پر مسلط ہو گئی نفع اور خیر کے پہلو نہ ہونے کی وجہ سے ہم زوال پذیر ہو گئے رد کر دیئے گئے اور ہمارا انجام بھی وہی ہوا جو ایک بیکار چیز کا ہونا چاہیئے
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ میں ہمارے ظہور کا مقصد أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ نفع خلائق ہے اور اسی طرح الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔
(ترجمہ شیخ الہندؒ)

عروج کی علت غائی یہی قرار دی ہے اِقَامَۃُ الصَّلٰوۃِ نظام زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر تیں نفع رسانی خلق کے لیے ہیں تو گویا ہمارا ظہور دعروج دونوں نفع رسانی ناس یعنی خلق خدا کے فائدے کے لیے ہے حکومت الٰہیہ قائم کرنا عدل الٰہی کو دنیا میں غلبہ دینا جس سے بڑھ کر کوئی نفع نہیں اور اسی کو صفات الٰہیہ کا مظہر کہا جاتا ہے اور بقول مولانا آزاد مظہریت بغیر تین باتوں کے ہو نہیں سکتی۔

پہلی بات:۔ وحدت مرکزیہ کا قیام جس کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ کا حکم ہے۔

دوسری بات:۔ اشتراک مال کی اسلامی صورت جس کی طرف نظام زکوٰۃ کے ذریعہ رہنمائی کی گئی۔

تیسری بات:۔ عدل الٰہی کا قیام۔ سو وہی چیز امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

الغرض مسلمان جب تک اپنے ظہور وعروج کے اعلیٰ مقاصد واصول پر کاربند رہے ان کا عروج تھا۔ اور جب مسلمانوں نے اپنا مقصد ظہور بھلا دیا رو بہ زوال ہو گئے یہاں تک کہ قومی حیات اور قومی زندگی پر قومی موت کی حالت طاری ہو گئی ہمارے اسلاف کی حالت بقول حکیم مشرقؒ ؎

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر	اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر